درس ۱۸

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بنیادی طریق کار
یا
انقلابِ نبوی ؐ کا اساسی منہاج

سورۃ الجمعہ کی روشنی میں

© rasailojaraid.com

(۳)

توراۃ کے ساتھ یہود کا طرزِ عمل —— ایک عبرت ناک مثال

فرمایا :

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○

کہ تم سے پہلے بھی ایک امت حامل کتاب بنائی گئی تھی' تورات جیسی نعمت اسے عطا ہوئی تھی۔ حامل کا لفظ "حمل یحمل" سے اسم فاعل ہے۔ اس کا مفہوم ہے "بوجھ اٹھانے والا"۔ اسی طرح "حمّال" کہتے ہیں بوجھ اٹھا کر لے جانے والے کو۔ عربی زبان میں یہ لفظ عام طور پر مزدور کے لئے مستعمل ہے' یعنی وہ شخص جس کا کام ہی یہ ہے کہ بوجھ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرے۔ گویا حامل کتاب الٰہی اس قوم کو کہا جائے گا جس کے ذمے یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کو دوسروں تک پہنچائے' اسے پھیلائے' اس کی ہدایت کو عام کرے۔ یہ کتاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے تم تک پہنچی ہے' اب اس کو پوری نوعِ انسانی تک پہنچانا تمہارے ذمے ہے۔ لیکن یہود نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا : مثل

© rasailojaraid.com

الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا ﴾ "مثال ان لوگوں کی جو حامل تورات بنائے گئے (جو اٹھوائے گئے تورات)، پھر انہوں نے اسے نہ اٹھایا (اس کی ذمہ داریوں کو ادا نہ کیا) ﴿ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ﴾ "اس گدھے کی سی (مثال) ہے جو اٹھائے ہوئے ہو کتابوں کا بوجھ!" یہاں یہود کو اُس گدھے کے مثل قرار دیا گیا ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو۔

عربی زبان میں سِفر اور سَفر دونوں کی جمع اَسفار آتی ہے۔ سِفر کے معنی ہیں کتاب۔ چنانچہ تورات میں شامل کتابوں (یا ابواب) کے لئے یہی لفظ مستعمل ہے، مثلاً سِفرِ پیدائش، سِفرِ تقویم (The Book of Genesis) وغیرہ۔ اس اعتبار سے یہاں آیت زیر نظر میں "اَسفار" کا لفظ اپنے اندر بڑی معنویت لئے ہوئے ہے۔

﴿ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ﴾ یہ تمثیل بھی نہایت بلیغ ہے۔ گدھے کی پیٹھ پر مکالماتِ فلاطوں کی سو جلدوں کی گٹھڑی باندھ کر رکھ دیجئے، اس سے اس کے اندر نہ تو کوئی فلسفیانہ بصیرت پیدا ہوگی اور نہ ہی حکمت اور دانائی کی کوئی بات اسے حاصل ہوگی۔ یہ مثال ہے اُس قوم کی جو کتابِ الٰہی کی حامل بنائی جائے اور پھر وہ اس کا حق ادا نہ کرے، اس کی ذمہ داریوں کو ادا نہ کرے! اگرچہ یہ تمثیل ایک بار تو انسان کو چونکا دیتی ہے کہ توراۃ کی حامل امت کے لئے گدھے کی مثال! لیکن یہ حقیقت ہے کہ کسی عملی شے کے اندر شناعت اور گراوٹ کا جو پہلو موجود ہوتا ہے اسے واضح کرنے کے لئے کوئی ایسی تمثیل مؤثر ہوتی ہے جس سے طبیعت میں ایک دفعہ لرزش سی پیدا ہو جائے۔ فصاحت اور بلاغت کا تقاضا بھی یہی ہے۔

تکذیب حالی

آگے فرمایا: ﴿ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ "بُری ہے مثال اُس قوم کی جنہوں نے آیاتِ الٰہی کو جھٹلایا" ــــــ یہاں لفظ "تکذیب" بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ تکذیب قول سے بھی ہو سکتی ہے اور عمل سے بھی۔ یعنی تکذیب باللّسان بھی ہو سکتی ہے اور بالحال بھی۔ یہ بھی تکذیب ہی کی ایک صورت ہوتی اگر بنی اسرائیل زبان سے صاف کہہ دیتے کہ تورات اللہ کی کتاب نہیں ہے، لیکن تاریخ کی گواہی یہ ہے کہ بنی

© rasailojaraid.

اسرائیل نے اس معنی میں توراۃ کی تکذیب کبھی نہیں کی۔ ہاں تکذیبِ عملی کے وہ ضرور مرتکب ہوئے۔ وہ تکذیب عملی کہ جس کا نقشہ بدقسمتی سے آج اُمّتِ مسلمہ پیش کر رہی ہے کہ بجائے قرآن کو اپنا پیشوا' رہنما اور مشعلِ راہ بنانے کے امت کی عظیم اکثریت نے اسے طاقِ نسیاں پر رکھ چھوڑا ہے۔ قرآن نے اس طرزِ عمل کو تکذیب کے لفظ سے موسوم کیا ہے: ﴿ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ یہ اللہ کی آیات کی تکذیب نہیں تو اور کیا ہے! زبان سے چاہے قرآن مجید پر کتنا ہی ایمان کا دعویٰ کیا جائے' اگر قرآن مجید کو ہم نے اپنا امام نہیں بنایا' قرآن مجید کی رہنمائی کو عملاً اختیار نہیں کیا' قرآن مجید کے عطا کردہ ضابطے اور قانون کو نافذ نہیں کیا' اس کی تعلیمات کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو استوار نہیں کیا تو گویا کہ اپنے عمل سے ہم قرآن کی تکذیب کر رہے ہیں۔ یہ تکذیب حالی ہے۔

© rasailojaraid.co

اُمّتِ مُسلمہ کے لئے ایک پیشگی تنبیہہ

اب آیئے آیت کے آخری ٹکڑے کی طرف: ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ "اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔" نوٹ کیجئے' یہ وہی انداز ہے جو سورۃ الصف میں آچکا ہے۔ وہاں ظالم کی بجائے فاسق کا لفظ تھا: ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾ اسلوب اور اسٹائل بعینہٖ وہی ہے۔ یہ چیز اُن مشترک اوصاف میں سے ہے جو جڑواں سورتوں میں پائے جاتے ہیں۔ بہرحال اس آیۂ مبارکہ سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آگئی کہ کتابِ الٰہی کے حامل ہونے کے ناطے ہر اُمت اور ہر قوم پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں' اگر اُن ذمہ داریوں کو ادا نہ کیا جائے تو درحقیقت یہ طرزِ عمل تکذیب کتاب کے مترادف ہے۔ یہ ایک پیشگی تنبیہہ تھی امت مسلمہ کو کہ اے مسلمانو! کہیں یہی معاملہ تم کتاب اللہ کے ساتھ نہ کر بیٹھنا! یہی وہ بات ہے جو حضور اکرم ﷺ کے ایک نہایت جامع فرمان میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ فرمایا: ((يَا اَهْلَ الْقُرْاٰنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْاٰنَ)) "اے قرآن والو! قرآن کو تکیہ نہ بنالینا"۔ وسادہ کہتے ہیں تکیے کو۔ یہ جملہ دو مفہوم دے رہا ہے (۱) تکیہ پیٹھ کے پیچھے ہوتا ہے' اس اعتبار سے مفہوم یہ ہوگا کہ قرآن کو پس پشت نہ ڈال دینا۔ اور (۲) تکیے پر انسان سہارا لیتا ہے۔ اور ایک سہارا ذہنی

© rasailojaraid.co

اور نفسیاتی بھی ہوتا ہے۔ اس پہلو سے مفہوم یہ ہوگا کہ قرآن کو اس طرح کا ذہنی اور نفسیاتی سہارا نہ بنا بیٹھنا کہ ہم تو حامل کتاب ہیں' قرآن کے وارث ہیں' محمد ﷺ کے امتی ہیں۔ اس طرح کا ذہنی سہارا بسا اوقات بے عملی کو جنم دیتا ہے۔ چنانچہ روک دیا گیا کہ قرآن کو اس نوع کا ایک ذہنی سہارا نہ بنالینا' بلکہ تمہاری اصل توجہ اس جانب ہونی چاہئے کہ قرآن کے حوالے سے ہم پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں' قرآن کے ساتھ ہمارا عملی رویہ کیا ہونا چاہئے' اور یہ کہ قرآن مجید کے وہ کون کون سے حقوق ہیں جن کی ادائیگی کی فکر ہر مسلمان کو کرنی ہے اور ان کی ادائیگی کی عملی صورت کیا ہے؟

قرآن حکیم اور ہماری ذِمّہ داریاں

نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث شریف کا ابھی ذکر ہوا تھا اس میں اس پیشگی تنبیہہ کے بعد کہ ((یَا اَھْلَ الْقُرْاٰنِ لاَ تَتَوَسَّدُوا الْقُرْآنَ)) "اے قرآن والو! قرآن کو تکیہ اور ذہنی سہارا نہ بنالینا" آپؐ نے بڑی جامعیت کے ساتھ ان اساسات کو واضح فرمایا' کہ جن پر قرآن حکیم کے ساتھ اُمت مسلمہ کے صحیح تعلق کا دارومدار ہے' اور جن کی بجا آوری کی امت کو فکر کرنی چاہئے۔ فرمایا: ((وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلاَوَتِهٖ فِیْ اٰنَاءِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ)) "اس کی تلاوت کیا کرو جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے' رات کے اوقات میں بھی اور دن کے اوقات میں بھی"۔ "وَتَغَنَّوْهُ" "اور اسے خوش الحانی سے پڑھا کرو!" اس لئے کہ ہر انسان کو کسی نہ کسی درجے میں حسن سماعت سے بھی حصہ ملتا ہے۔ بندۂ مؤمن کے لئے اپنی فطرت کے اس تقاضے کو پورا کرنے کی اعلیٰ ترین صورت یہ ہے کہ اچھی سے اچھی آواز میں اور بہتر سے بہتر انداز میں قرآن مجید کو پڑھے اور اس سے حظ حاصل کرے۔

آگے فرمایا: ((وَافْشُوْهُ)) "اور اسے پھیلاؤ"۔ اسے عام کرو! حضرت مسیح علیہ السلام نے بڑی پیاری بات فرمائی تھی کہ چراغ جلا کر اسے کہیں نیچے نہیں رکھا کرتے' بلکہ بلند مقام پر رکھتے ہیں تاکہ اس کی روشنی عام ہو۔ یہ نورِ ہدایت' قرآنِ حکیم نوعِ انسانی کی رہنمائی کے لئے نازل ہوا ہے۔ جس کا نقشہ کھینچا گیا اس شعر میں ؎

اندھیری شب ہے جدا اپنے قافلے سے ہے تُو
ترے لئے ہے مرا شعلۂ نوا قندیل

© rasailojaraid.com

بھٹکتے ہوئے قافلہ انسانیت کے لئے قندیل ہدایت یہی قرآن ہے۔ اس کو پھیلانے اور عام کرنے کی حضور ﷺ نے تاکید فرمائی۔ اسی کی جانب اشارہ فرمایا آپؐ نے اپنے آخری خطبے میں: ((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ)) "کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہیے کہ اس پیغام کو پہنچائیں ان تک جو یہاں موجود نہیں"۔ اور اس بات کو منطقی انتہا تک آپؐ نے پہنچا دیا اپنے اس قولِ مبارک کے ذریعے کہ: ((بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰيَةً)) "پہنچاؤ میری جانب سے' خواہ ایک ہی آیت ہو"۔ چراغ سے چراغ اسی طور سے روشن ہو گا۔ اس ضمن میں آپؐ کا یہ ارشاد بھی نہایت اہم ہے: ((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ)) "تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے" جو قرآن کے پڑھنے پڑھانے کو اپنی زندگی کا مشن بنا لے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں اور متفق علیہ روایت ہے۔ یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں: ((وَتَدَبَّرُوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ)) "اس پر غور و فکر کرو (اس کے مفاہیم و معنی کی گہرائیوں میں اترنے کی کوشش کرو) تاکہ تم فلاح اور کامیابی سے ہمکنار ہو سکو!"

اسی سلسلے میں ایک اور حدیث بھی جس کے راوی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں' انتہائی توجہ کے لائق ہے۔ حضور ﷺ قرآن کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ((وَلَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُهٗ)) "اور یہ کتاب وہ ہے جس کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے" ((وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ)) "اور اہل علم اس سے کبھی سیری محسوس نہیں کریں گے" ((وَلَا يَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ)) "بار بار کے پڑھنے کے باوجود (اس سے طبیعت اکتائے گی نہیں) اس پر پرانے پن کا کوئی احساس کبھی پیدا نہ ہونے پائے گا" ــــــ یہ ہے اللہ کی کتاب' جس کے حقوق کی ادائیگی کی ہم سب کو فکر ہونی چاہیے۔

اس موضوع پر اللہ کے فضل و کرم سے مَیں نے کسی زمانے میں مسجد خضریٰ لاہور میں دو تقریریں کی تھیں جو اب ایک کتابچے کی شکل میں موجود ہیں' جس کا عنوان ہے "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" یہ کتابچہ یوں سمجھئے کہ نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث ہی کی وضاحت پر مشتمل ہے کہ "اے مسلمانو! حامل قرآن ہونے کے اعتبار سے پہچانو کہ تمہارے ذمہ کیا ہیں تمہارے فرائض کیا ہیں! اس کو مانو جیسا کہ ماننے کا حق ہے'

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

اسے پڑھو جیسا کہ اسے پڑھنے کا حق ہے' اس کو سمجھو جیسا کہ سمجھنے کا حق ہے' اس پر عمل کرو جیسا کہ عمل کرنے کا حق ہے' اور آخری ذمہ داری یہ کہ اس کو پھیلاؤ' اس کی تبلیغ و تبیین کرو جیسا کہ اس کی تبلیغ کا حق ہے"۔ چہار دانگِ عالم کو اس کے نور سے منور کرنے کے لئے اپنی بہترین صلاحیتیں خرچ کرنا اور کھپانا ہر مسلمان پر اس کتاب عزیز کا وہ حق ہے جسے ہم فراموش کئے ہوئے ہیں۔ حضور ﷺ کی بعثت چونکہ ((اِلَی کَآفَّةِ النَّاسِ)) تھی' یعنی آپؐ تا قیامِ قیامت پوری نوعِ انسانی کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں' لہٰذا حضور ﷺ نے تبلیغ و تعلیم قرآن کے ذریعے ایک مخصوص خطّۂ زمین میں ایک انقلابِ عظیم برپا فرما دیا اور وہاں بسنے والی قوم کو وہ نسخۂ کیمیا قرآن مجید عطا فرما کر آپؐ اس دُنیا سے تشریف لے گئے — اب اُمت کا فرضِ منصبی قرار پایا کہ وہ اس چراغ کو لے کر نکلے اور اس کے نور سے روئے ارضی کو منور کردے ؎

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے!

ذہن میں رکھئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے اس فرضِ منصبی کا پورا شعور حاصل تھا۔ چنانچہ ان کے ایک ہاتھ میں قرآن تھا تو دوسرے میں تلوار! —— حقیقت یہ ہے کہ ایک مردِ مؤمن کی شخصیت کا جو ہیولا انسان کے تصور میں اُبھرتا ہے اس میں لازماً یہ بات شامل ہوتی ہے کہ اس کے ایک ہاتھ میں قرآن ہے اور دوسرے میں تلوار۔ ایک طرف قرآن کو دوسروں تک پہنچانا' اس کے نورِ ہدایت کو عام کرنا اور دوسری جانب اللہ کے دین کے غلبے کے لئے اللہ اور اس کے دین کے دشمنوں سے جہاد اور قتال' یہ تھا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا نقشہ!

قرآن حکیم کے ساتھ ہمارا طرزِ عمل

یہ ہے وہ کام کہ جو حضور ﷺ اُمت کے سپرد فرما کر گئے تھے۔ اس سلسلے میں پیشگی تنبیہہ سورۃ الجمعہ میں کردی گئی کہ دیکھنا کہیں اس کے برعکس تمہارا طرزِ عمل یہود کا سا نہ ہو جائے' جنہوں نے اللہ کی کتاب کے ساتھ وفاداری نہیں کی تو اللہ نے انہیں اس گدھے کے مشابہ قرار دیا جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو۔

© rasailojaraid.com

﴿ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ ﴾

"نہایت بری مثال ہے اس قوم کی جس ؓ نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا' اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا"۔

یہ بات دوسری ہے کہ حضور ﷺ کا قولِ مبارک ہمارے حق میں پورا ہوا ہے کہ ((لَيَاْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِىْ كَمَا اَتٰى عَلٰى بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ)) اور ہم بعینہٖ یہود کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں' چنانچہ قرآن کے ساتھ ہمارا تعلق بس اتنا رہ گیا ہے کہ ؎

با آیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یٰسینِ او آساں بمیری

قرآن ہمارے نزدیک محض ایصالِ ثواب یا حصولِ ثواب کا ایک ذریعہ ہے یا موت کو آسان کرنے کا ایک نسخہ کہ مرتے ہوئے سورۂ یٰسین سنا دی جائے تاکہ اس کی جان آسانی سے نکل جائے۔ ہماری عملی زندگی کا قرآن حکیم سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ یہ ہماری رہنما کتاب ہے' نہ یہ ہماری امام ہے' نہ یہ قولِ فیصل ہے کہ ہمارے تمام فیصلے اسی پر مبنی ہوں' نہ اس پر ہماری زندگی کا نظام استوار ہے۔ تو گویا بعینہٖ وہ بات کہ جو یہود کو نشانِ عبرت کے طور پر پیش کر کے ہمیں بطور تنبیہہ کہی گئی تھی ہماری بدبختی اور بدقسمتی کہ ہم پر صادق آ رہی ہے اور ہم اس وقت اپنی موجودہ صورتِ حال سے اس کا ایک مکمل نمونہ پیش کر رہے ہیں۔

اگلی آیات میں یہ حقیقت کھولی گئی ہے کہ کسی مسلمان اُمت میں زوال اور گمراہی کا پیدا ہو جانا کن اسباب سے ہوتا ہے! بڑی جامعیت کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا گیا آیت ۶ میں:

﴿ قُلْ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ ﴾

"(اے نبی ﷺ) کہئے: اے یہودیو! اگر تمہیں یہ زعم ہے (اگر تمہیں یہ خیالِ خام لاحق ہو گیا ہے) کہ تم اللہ کے بڑے دوست ہو (اس کے چہیتے اور محبوب ہو) لوگوں کو چھوڑ کر تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو!"

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

دوست سے ملاقات کی آرزو ہر شخص کو ہوتی ہے' اس سے دُوری تو انسان پر شاق گزرتی ہے۔

عملی اضمحلال کا اصل سبب

یہاں اشارہ ہوا اس بات کی طرف کہ کسی مسلمان اُمت میں عملی گمراہی اور اضمحلال کا اصل سبب یہ ہوتا ہے کہ ان کے ذہنوں میں بالعموم یہ خیالِ خام راسخ ہو جاتا ہے کہ ہم بخشے بخشائے ہیں' ہم اللہ کے چہیتے ہیں: ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُہٗ﴾ ہم اللہ کے برگزیدہ بندوں کی اولاد اور اس کے پسندیدہ بندوں کے ساتھ نسبت اور تعلق رکھنے والے لوگ ہیں' جہنم کی آگ ہمارے لئے نہیں کسی اور کے لئے ہے۔ اس زعم اور بے بنیاد خیال کی وجہ سے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں تساہل اور عملی زوال شروع ہو جاتا ہے۔ پھر انسان اپنی نجات کے معاملے کو عمل کرنے کی بجائے ان تعلقوں اور نسبتوں پر موقوف سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس معاملے میں جھنجھوڑنے کے لئے ایک بڑی ہی عملی مثال سامنے لائی گئی کہ اگر تمہیں فی الواقع یہ خیال ہے کہ تمہیں خدا سے محبّت ہے تو اس سے جلد سے جلد ملاقات کا جذبہ اور شوق تمہارے دل میں موجزن ہونا چاہئے۔ وہ جس کا نقشہ کھینچا علامہ اقبال نے ان الفاظ میں ؎

نشانِ مردِ مؤمن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لبِ اوست

اپنے گریبان میں جھانکو' کیا واقعی یہ کیفیت ہے؟ کیا واقعی یہ زندگی تم پر اسی طرح بھاری گزر رہی ہے جیسے کہ حضور ﷺ نے نقشہ کھینچا تھا کہ : ((اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّۃُ الْکَافِرِ)) "یہ دُنیا ایک بندۂ مؤمن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے گلستان"۔ یا معاملہ اس کے برعکس ہے اور دُنیا سے محبّت کی کیفیت وہ ہے جو سورۃ البقرۃ میں یہود کی بیان ہوئی :

﴿وَلَتَجِدَنَّھُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوۃٍ ۚ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا ۚ یَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَۃٍ ۚ﴾ (البقرۃ : ۹۶)

کہ ان میں سے ہر ایک کی یہی خواہش ہے کہ زندگی طویل ہو جائے' ایک ہزار برس تک

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

وہ اس دُنیا میں جی سکیں اور یہاں کا لطف اٹھا سکیں' ان کی اصل کیفیاتِ باطنی تو یہ ہیں' دعویٰ کر رہے ہیں خدا کی محبّت کا اور خدا کے محبوب ہونے کا۔

یہ ہے وہ پریکٹیکل ٹیسٹ جو اُن کے سامنے رکھ دیا گیا کہ اس پر اپنے آپ کو پرکھو۔

آیت کے اگلے ٹکڑے میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ﴾

"اور یہ ہرگز ہرگز تمنا نہیں کر سکتے موت کی' بسبب اس کمائی کے جو اُن کے ہاتھوں نے آگے بھیجی ہوئی ہے"۔

سورۃ القیامہ میں ہم پڑھ آئے ہیں : ﴿ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝ ﴾ کہ انسان کو خوب معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہاں کھڑا ہے' کتنے پانی میں ہے۔ ﴿ وَلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝ ﴾ خواہ وہ کتنی ہی معذرتیں اور کتنے ہی بہانے تراش لے اور خواہ وہ اپنی استدلالی قوّت سے اعتراض کرنے والوں کی زبانیں بند کرا دے' لیکن اس سب کے باوجود اس کا ضمیر اسے بتا رہا ہوتا ہے کہ تم حقیقت میں کیا ہو ـــــ چنانچہ صاف فرما دیا کہ یہ یہود اگرچہ خود کو اللہ کا لاڈلا اور چہیتا قرار دیتے ہیں' لیکن جو کچھ یہ اپنے ہاتھوں سے آگے بھیج چکے ہیں' جو کمائی انہوں نے کی ہے آخرت کے نقطۂ نگاہ سے' اس کے پیشِ نظر یہ کبھی موت کی تمنا نہیں کر سکتے۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ "اور اللہ ظالموں سے بخوبی باخبر ہے"۔

اگلی آیت میں یہ مضمون اپنی منطقی انتہا کو پہنچ رہا ہے۔ فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ﴾ کہ (اے نبیؐ) ان سے کہہ دیجئے کہ وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو' جس سے فرار اختیار کرنا چاہتے ہو وہ تم سے ملاقات کر کے رہے گی۔ کتنا ہی بھاگو' کتنا ہی اس سے پہلو بچانے کی کوشش کرو' وہ سامنے آن کھڑی ہو گی۔ ﴿ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ﴾ پھر تمہیں لوٹا دیا جائے گا اس ہستی کی طرف کہ جو کھلے اور چھپے سب کا جاننے والا ہے ﴿ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ پھر وہ تمہیں جتلا دے گا جو کچھ کہ تم کرتے رہے تھے۔

اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ان آیات میں خطاب اگرچہ یہود سے ہے' لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا تھا ان سورتوں میں اصل تخاطب اُمّتِ مُسلمہ سے ہے' ساری بات مسلمانوں سے ہو رہی ہے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

اصل میں اُمّتِ مُسلمہ کو گویا پیشگی طور پر متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تمہارے اندر اگر عملی اضمحلال آئے گا' اپنے دینی مطالبات اور تقاضوں کو پورا کرنے سے تم اگر پہلو تہی کرو گے تو اس کا اصل سبب یہ ہو گا کہ تمہیں یہ زعم لاحق ہو جائے گا کہ ہم اللہ کے چہیتے ہیں' ہم اس کے محبوبوں کی اولاد میں سے ہیں یا ہم اس کے محبوبوں اور اس کے مقربین بارگاہ کے دامن سے وابستہ لوگوں میں سے ہیں۔ یہ زعم ہے جو تمہیں عمل سے دُور کرتا چلا جائے گا اور اس کا ایک نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم دُنیا پرستی میں غرق ہوتے چلے جاؤ گے۔ دُنیا ہی تمہارا مطلوب و مقصود بنتی چلی جائے گی اور دوسرے یہ کہ موت کا خوف رفتہ رفتہ تم پر مسلط ہو جائے گا۔

© rasailojaraid.co

ایک چونکا دینے والی حدیث

نبی اکرم ﷺ نے خبر دی تھی کہ اے مسلمانو! ایک وقت آئے گا کہ دُنیا کی قومیں تم پر ایک دوسرے کو ایسے دعوت دیں گی جیسے دعوت کا اہتمام کرنے والا کوئی شخص دسترخوان کے چنے جانے کے بعد مہمانوں سے کہتا ہے کہ آیئے تشریف لائے' کھانا تناول فرمایئے! اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حیران ہو کر پوچھا کہ مِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟ حضور! کیا اس زمانے میں ہماری تعداد بہت کم رہ جائے گی؟ حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں! ((بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ)) تعداد تو تمہاری بہت ہو گی' نوے کروڑ' ایک ارب اور نامعلوم کتنی! لیکن تمہاری حیثیت جھاگ سے زیادہ نہ ہو گی کہ جیسے کسی جگہ اگر سیلاب آ جائے تو سیلاب میں پانی کے ریلے کے اوپر کچھ جھاڑ جھنکار ہوتا ہے' کچھ جھاگ ہوتا ہے ((وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ)) اس سے زائد تمہاری حیثیت نہیں ہو گی' دُنیا میں تمہاری اہمیت اس سے بڑھ کر نہ رہے گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پھر سوال کیا کہ حضور! ایسا کیوں ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا: تمہارے اندر ایک بیماری پیدا ہو جائے گی جس کا نام "وَھن" ہے۔ سوال کیا گیا: "مَا الْوَهْنُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" کہ حضورؐ! وہ وہن کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ((حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ)) دُنیا کی محبت اور موت سے نفرت ـــــ یہ بیماری جب تم میں

© rasailojaraid.co

پیدا ہو جائے گی' جب دُنیا تمہاری محبّت کا مرکز بن جائے گی اور موت سے تم دُور بھاگنے لگو گے تو بہت بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود تم اقوامِ عالم کے لئے لقمۂ تر بن جاؤ گے ــــــ لیکن ظاہر بات ہے کہ کوئی اپنی درازیٔ عمر کے باعث اللہ کی پکڑ سے بہرحال بچ نہیں سکے گا' اسے بالآخر اپنے رب کی طرف لوٹنا ہی ہو گا اور وہاں اس کا حساب چکا دیا جائے گا۔

یہاں اس سورۂ مبارکہ کا دوسرا حصہ مکمل ہوا جو چار آیات پر مشتمل ہے۔ ان میں ذکر اگرچہ سابقہ اُمت مسلمہ یہود کا ہے' لیکن اصلاً یہ ایک آئینہ ہے کہ جس میں نئی اُمت مسلمہ کو آئندہ کی تصویر دکھائی جا رہی ہے کہ جیسے وہ حامل کتاب بنائے گئے تھے اس طرح تم بھی حامل قرآن بنائے جا رہے ہو' جیسے وہ وارثِ کتاب بنے تھے ویسے ہی تم بھی وارثِ کتاب بنائے گئے ہو' دیکھنا کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ کی کتاب کے ساتھ جو معاملہ انہوں نے کیا تھا تم بھی قرآن کے ساتھ وہی سلوک کرنے لگو!! یہ ہے درحقیقت اس سورۂ مبارکہ کے پہلے حصّے اور دوسرے حصّے کے مضامین کے مابین ربط و تعلق۔ چونکہ انقلابِ محمدیؐ کا آلہ قرآن حکیم ہے اور حضور ﷺ کی بعثت قیامت تک آنے والی پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے' لہٰذا جس عمل کو حضور ﷺ نے جاری رکھا ﴿ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ﴾ اور جس کی بنیاد پر ایک ہمہ گیر انقلاب جزیرہ نمائے عرب میں برپا کر دیا' اسی عمل کو جاری رکھنا اور آگے چلانا اُمت کی ذمہ داری ہے۔

اس کے لئے اساسی منہاج وہی ہو گا جو حضور اکرم ﷺ نے اختیار کیا' جس میں مرکز و محور کی حیثیت قرآن حکیم کو حاصل تھی۔ یہاں سورۃ الجمعہ کا پہلا رکوع ختم ہوا۔

حکمت و احکامِ جمعہ

سورۃ الجمعہ کا دوسرا رکوع تین آیات پر مشتمل ہے اور اس میں حکمت و احکامِ جمعہ کا بیان ہے۔ یہاں ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ اس سورۂ مبارکہ کے مرکزی مضمون اور عمود کے ساتھ نظامِ جمعہ کا کیا تعلق ہے۔ اس لئے کہ بظاہر تو معاملہ غیر متعلق سا نظر آتا ہے! ــــــ تاہم پہلے ان آیات کا ایک رواں ترجمہ کر لینا مفید ہو گا۔ فرمایا :

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی

© rasailojaraid.co

ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

"اے اہل ایمان! جب تمہیں پکارا جائے نماز کے لئے جمعہ کے دن تو لپکو اللہ کی یاد کی طرف اور کاروبار چھوڑ دو! یہی بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم سمجھو!"

ذہن میں تازہ کیجئے' سورۃ الصّفّ کا دوسرا رکوع بھی شروع ہوا تھا ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ کے الفاظ سے اور اس میں بھی یہ الفاظ وارد ہوئے تھے کہ ﴿ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ یہ مشابہتِ لفظی بھی بہت قابل توجہ ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے :

﴿ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ِۨانْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ ﴾

© rasailojaraid.com

"جب نماز ادا کی جا چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو' اور اللہ کا ذکر جاری رکھو کثرت کے ساتھ' تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (اب ایک متعین واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) جب انہوں نے دیکھا کوئی کاروبار یا کوئی اور دلچسپی کی چیز تو وہ اس کی طرف لپک گئے اور چھوڑ گئے آپ کو (اے نبیؐ) کھڑے ہوئے۔ کہہ دیجئے جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کہیں بہتر ہے تجارت سے بھی اور دلچسپیوں کی چیزوں (لہو ولعب) سے بھی' اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔"

ان تین آیات میں' جیسا کہ ترجمے سے واضح ہو گیا' ساری بات نمازِ جمعہ اور خطبۂ جمعہ کی ہو رہی ہے۔ جمعہ کی فرضیت اس درجے واضح کی گئی کہ صریحاً فرما دیا گیا کہ جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو ہر نوع کا کاروبارِ دنیوی ترک کر دیا جائے' ہمہ تن متوجہ ہو جایا جائے! یہ ساری باتیں جو آ رہی ہیں تو پہلے جیسا کہ عرض کیا گیا تھا یہ سمجھئے کہ اس کا ربط کیا ہے۔

رہ گئی رسمِ اذاں....

درحقیقت یہ نظامِ جمعہ جس کو ہم نے ایک رسم بنا لیا' ایک نہایت عظیم اور مبنی بر حکمت نظام ہے۔ اس معاملے میں تو شاید مسلمانوں کو دنیا کی کوئی قوم بھی مات نہ دے سکے کہ بڑی سے بڑی چیز کو ایک رسم بنا کر رکھ دینا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے ——

© rasailojaraid.com

نتیجہ یہ ہے کہ اعمال کی محض صورت اور شکل باقی رہ جاتی ہے اور اس کی روح غائب! یہ بات نظروں کے سامنے رہتی ہی نہیں کہ وہ عمل کس لئے تھا' اس کا مقصد کیا تھا؟ بس عمل کی ظاہری صورت باقی رہتی ہے اور اس کی حیثیت ایک رسم (Ritual) سے زیادہ نہیں ہوتی ؎

رہ گئی رسم اذاں رُوحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی!

اسی طرح کا معاملہ اجتماعِ جمعہ کا ہے۔ آج اس گئے گزرے دَور میں بھی مسلمانوں میں ابھی کثیر تعداد میں وہ لوگ موجود ہیں جو جمعہ کے لئے بڑے اہتمام سے تیار ہو کر آتے ہیں' نہا دھو کر' اچھّے صاف ستھرے کپڑے پہن کر' خوشبو لگا کر آتے ہیں' لیکن یہ بات بالعموم پیشِ نظر نہیں ہوتی کہ اس نظامِ جمعہ کا اور اس سب اہتمام کا حاصل کیا ہے' اس کی غرض و غایت کیا ہے' اس کی حکمت کیا ہے! —— اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اس جمعہ کی اصل اہمیت خطبہ جمعہ کی وجہ سے ہے' ورنہ جمعہ کی نماز میں فرض رکعتوں کی تعداد نمازِ ظہر سے بھی نصف رہ جاتی ہے جس کا کہ وہ قائم مقام بنتی ہے۔ نماز ظہر کی چار رکعتیں ہیں جب کہ نماز جمعہ میں کل دو رکعات فرض شامل ہیں۔ گویا نماز کی رکعتوں کی تعداد کم ہو گئی۔ جمعہ کو جس چیز نے "جمعہ" بنایا ہے وہ خطبہ جمعہ ہے' اور خطبہ جمعہ کی غرض و غایت کیا ہے' اسے مسلم شریف کی ایک روایت کے حوالے سے سمجھئے کہ حضور ﷺ خطبہ جمعہ میں کیا کیا کرتے تھے؟ ؎ "کَانَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَ یُذَکِّرُ النَّاسَ" —— "آپ ﷺ قرآن کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور لوگوں کو تذکیر فرماتے تھے" یاددہانی کیا کرتے تھے۔ یہ تذکیر بالقرآن وہی ہے جس کا ذکر سورۂ قٓ کی آخری آیت میں آیا ہے: ﴿فَذَکِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ﴾ یعنی "اے نبی! اس قرآن کے ذریعے سے تذکیر فرمایئے (اور یاددہانی کراتے رہئے) ہر اُس شخص کو جو میری وعید سے ڈرتا ہو۔"

حکمتِ جمعہ

خطبہ جمعہ دراصل عوامی سطح پر تذکیر بالقرآن ہی کی ایک ہمہ گیر شکل ہے۔ یہ گویا تعلیم بالغاں کا ایک عظیم نظام ہے جو اُمّت میں رائج کیا گیا کہ کوئی نائبِ رسول منبرِ رسولؐ پر

© rasailojaraid.com

کھڑا ہو اور قرآن حکیم کی آیات کے ذریعے تذکیر و نصیحت کا وہی فریضہ سرانجام دے جو درحقیقت انقلابِ محمد ﷺ کی جڑ اور بنیاد ہی نہیں، مرکز و محور بھی ہے۔ یعنی ﴿ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ﴾ اسی نبوی عمل کو دوام بخشا گیا اور اسے امت کے اندر ایک مستقل عمل کی حیثیت سے جاری کر دیا گیا نظامِ جمعہ کی صورت میں، کہ لوگ خطبہ سننے کے لئے پورے اہتمام سے نہا دھو کر آئیں، اعصاب چاق و چوبند ہوں، ماحول معطر ہو۔ غور کیجئے، یہ ساری ہدایات کیوں دی گئیں! نبی اکرم ﷺ نے اس معاملے میں یہاں تک فرمایا کہ کیا تمہارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ تم اپنے ان کپڑوں کو جو محنت مزدوری کے وقت پہنتے ہو، علیحدہ رکھو اور جمعہ کے لئے ایک صاف ستھرا جوڑا علیحدہ تیار رکھو؟ تاکہ جب مسلمان جمع ہوں تو وہاں کا ماحول پسینے کی بدبو سے منغص نہ ہو بلکہ پاک صاف اور معطر ماحول ہو کہ مسلمان خطبہ جمعہ پوری دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ سن سکیں اور کوئی نائب رسول جب عمل نبویؐ کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے آیات قرآنی کے ذریعے سے وعظ و نصیحت کرے تو ان باتوں کو سننے اور سمجھنے کی راہ میں کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکے۔

ہفتہ وار اجتماعات کی ضرورت

یہ بات بھی ذہن میں رکھئے کہ ہر انقلابی جماعت کے لئے اس طرح کے اجتماعات کا اہتمام کرنا ایک لازمی امر ہے۔ ہر انقلابی گروہ یا جماعت کا کوئی نہ کوئی لٹریچر ہوتا ہے جو اس کے اساسی افکار و نظریات پر مشتمل ہوتا ہے اور کسی بھی انقلابی گروہ یا جماعت کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ اپنے اساسی لٹریچر کے ساتھ اپنے ذہنی ربط و تعلق کو برقرار رکھے اور اس لٹریچر کے ذریعے وقتاً فوقتاً اپنے افکار و نظریات کو تازہ کرتی رہے۔ مختلف جماعتیں اسی غرض سے ہفتہ وار اجتماعات کا اہتمام کیا کرتی ہیں۔ مسلمان بھی دراصل ایک نظریاتی گروہ کے افراد ہیں۔ اس گروہ یا اُمت کے سامنے ایک عظیم مشن ہے، فرائض رسالت کی ادائیگی کی ذمہ داری اسی اُمت کے کاندھوں پر آئی ہے، انقلاب نبویؐ کی عالمی سطح پر تکمیل اُمت کا مشن قرار پایا ہے اور اس انقلابی جماعت کا لٹریچر ہے قرآن مجید۔ ان کے فکر کو تازہ کرنے اور ان کے نقطۂ نظر کو صحیح رکھنے کے لئے اس ابدی لٹریچر کی

© rasailojaraid.com

پیہم اور مسلسل تعلیم کا نظام جاری کر دیا گیا خطبہ جمعہ کی شکل میں۔ اس خطبے کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ فرمایا گیا کہ جب امام خطبہ دے رہا ہو تو ایک دوسرے سے کلام نہ کرو، یہاں تک کہ دورانِ خطبہ اگر تم نے اپنے ساتھی سے یہ کہا کہ خاموش رہو تو اتنا کہنا بھی ایک ناپسندیدہ حرکت ہے۔ ((اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ اَنْصِتْ فَقَدْ لَغَوْتَ)) کہ اگر کسی نے کوئی لغو حرکت کی کہ دورانِ خطبہ بولنا شروع کر دیا اور تم نے اس سے کہا کہ "چپ ہو جاؤ" تو تم نے بھی ایک لغو حرکت کا ارتکاب کیا۔ پوری خاموشی کے ساتھ ہمہ تن متوجہ ہو کر سنو۔ اللہ کے پاک کلام کی جو تعلیم و تلقین ہو رہی ہے اور اس کے ذریعے سے جو تذکیر و نصیحت کا عمل خطبے کی صورت میں جاری ہے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاؤ!

خطبہ جمعہ کی اہمیت کا اندازہ حضور ﷺ کے اس فرمان سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب خطبے کا آغاز ہو جاتا ہے تو وہ فرشتے کہ جو مسجد کے دروازوں پر بیٹھے آنے والوں کی حاضری کا اندراج کر رہے ہوتے ہیں، اپنے صحیفے اور رجسٹر بند کر دیتے ہیں اور وہ خود ہمہ تن خطبے کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جمعہ میں صرف وہی لوگ حاضر شمار ہوتے ہیں جو وقت پر آئیں اور مکمل خطبے کی سماعت کریں۔ ہمارے ہاں صورتِ حال یہ ہے کہ اوّل تو وہ خطبہ عربی زبان میں ہے اور ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ع زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم! ـــــ اس کی تلافی کے لئے اگر تقریروں اور وعظوں کا سلسلہ شروع کیا گیا تو بڑے دکھ کے ساتھ یہ عرض کر رہا ہوں کہ حقیقت یہ ہے کہ ان تقریروں میں اور سب کچھ ہوتا ہے سوائے قرآن کے! اس میں سیاست پر بات ہو گی، فرقہ واریت پر گرما گرم گفتگو ہو گی، اس میں کہانیاں ہوں گی، لطیفے بیان ہوں گے، نہیں ہو گا تو بس قرآن نہیں ہو گا جس کے لئے یہ سارا نظام تجویز کیا گیا! جس کے لئے یہ سارا کھکھیڑ مول لیا گیا ہے!

یہ ہے حکمت و احکامِ جمعہ کا مضمون جو اس سورۂ مبارکہ میں بڑی جامعیت کے ساتھ آیا ہے۔ جمعہ سے متعلق احکام دوسرے رکوع میں وارد ہوئے اور اس کی حکمت کا بیان گویا پہلے رکوع میں ہو گیا کہ وہی نبوی عمل جس کا بیان چار اصطلاحات کی صورت میں ہوا ﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ اس کو دوام اور تسلسل عطا کر دیا گیا خطبہ جمعہ کی شکل میں۔ بلاشبہ یہ تعلیم بالغاں کا ایک عظیم نظام ہے۔ چشمِ تصوّر سے دیکھئے آج اس گئے گزرے دور میں بھی لاکھوں انسان جمعہ کے لئے بڑے اہتمام سے

© rasailojaraid.com

تیار ہو کر آتے ہیں ؎ "کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت عظیم تھی"۔ افسوس کہ یہ عظیم عمارت فی الواقع اب کھنڈر بن چکی ہے۔ اس کی حکمت اور اس کی غرض و غایت ہمارے پیش نظر ہی نہیں رہی' جمعہ اب ہمارے ہاں بس ایک رسم بن کر رہ گیا ہے اور اس کو رسم کی حیثیت سے ادا کرنے والے آج بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ لیکن ہماری کوتاہی کے باعث اس سے وہ مقصود حاصل نہیں ہو رہا جو کہ اس مبارک عبادت سے حاصل ہونا چاہئے۔

احکامِ جمعہ ـــ بعض دیگر ہدایات

بہرکیف یہ ہے وہ ربط و تعلق جو دوسرے رکوع کی تین آیات کا اس سورۂ مبارکہ کے عمود کے ساتھ بنتا ہے۔ اس دوسرے رکوع میں بعض مضامین اور بھی ہیں جو اگرچہ سورۃ کے عمود اور ربطِ کلام کے اعتبار سے ضمنی قرار پائیں گے لیکن بہرحال ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ علم و حکمت کا ایک قیمتی موتی ہے۔ ایک تو خطبہ جمعہ کی خصوصی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ﴾ کہ لپکو اللہ کے ذکر کی طرف! ـــ خیال رہے کہ نماز کے لئے دوڑ کر جانے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے' یہ وقار کے منافی ہے۔ ورنہ یہاں لفظی ترجمہ تو یہی ہو گا کہ دوڑو اللہ کی یاد کی طرف۔ لیکن ہم اس سے مراد لیں گے کہ پوری مستعدی کے ساتھ ہمہ تن متوجہ ہو جاؤ۔

اگلے الفاظ بھی نہایت قابل توجہ ہیں: "وَذَرُوا الْبَیْعَ" کاروبار ترک کر دو! "ذَرُوْا" امر کا صیغہ ہے اور یہ قاعدہ سب کے علم میں ہے کہ "اَلْاَمْرُ لِلْوُجُوْبِ"۔ چنانچہ اذانِ جمعہ کے بعد کاروبارِ دُنیوی مطلقاً حرام ہو جاتا ہے۔ تاہم یہ ذہن میں رہے کہ یہ حکم اصلاً اذانِ ثانی سے متعلق ہے' اس لئے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں ایک ہی اذان ہوتی تھی۔ دوسری اذان کا اضافہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں کیا گیا جب مدینہ منورہ نے وسعت اختیار کر لی۔ لہٰذا اس حکم کا پوری شدت کے ساتھ اطلاق تو ہو گا اذانِ ثانی کے بعد' لیکن تبعاً یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اذانِ اولیٰ کے بعد جمعہ کی تیاری کی جانب ہمہ تن متوجہ ہو جانا اور مسجد کی طرف لپکنا اس آیت کے منشا میں شامل ہے۔

اس آیت میں لفظ "ذکر" بھی خصوصی طور پر لائق توجہ ہے۔ یہاں ذکر سے مراد ہے

© rasailojaraid.com

خطبہ جمعہ۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے' خطبہ دراصل قرآن کی تعلیم ہی کا ایک ذریعہ ہے۔ خطیب کا کام یہ ہے کہ وہ قرآن کی آیات کے حوالے سے تذکیر کرے' وعظ و نصیحت کرے۔ اور قرآن مجید خود اپنے آپ کو بھی "الذِّکر" قرار دیتا ہے۔ سورۃ الحجر کی اس آیت میں بھی جو کثرت سے بیان کی جاتی ہے' قرآن کے لئے "الذکر" کا لفظ آیا ہے:

﴿ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝ ﴾ (الحجر : ۹)

"یقیناً ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں"۔

اُمّتِ مُسلمہ کے لئے خصوصی سہولت

اس کے بعد فرمایا کہ جب نمازِ جمعہ سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں پھیل جاؤ۔ ﴿ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانۡتَشِرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ ﴾ اس حکم کا پس منظر یہ ہے کہ سابقہ امت میں یوم السبت (ہفتے کا دن) کُل کا کُل عبادت کے لئے مخصوص تھا اور اس میں کاروبارِ دنیوی مطلقاً حرام تھا۔ لیکن اُمت محمد ﷺ کے لئے اس معاملے میں آسانی پیدا کی گئی ہے اور وہ یہ کہ صرف اذانِ جمعہ سے لے کر اختتامِ نماز تک دُنیوی کاروبار اور تجارتی لین دین کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اجازت دے دی گئی کہ جب نماز ادا ہو چکے تو اب تمہیں اختیار ہے کہ جاؤ اور تلاشِ معاش میں مصروف ہو جاؤ۔ اس ضمن میں جو الفاظ یہاں لائے گئے ہیں وہ نوٹ کرنے کے قابل ہیں۔ فرمایا ﴿ وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ ﴾ کہ جو کچھ تم کماؤ گے اسے اللہ کا فضل سمجھو' اسے اپنی محنت کا نتیجہ سمجھنا درست نہ ہو گا۔ محنت یقیناً تمہیں کرنی ہے' لیکن جو رزق اور روزی تمہیں عطا ہوئی ہے یہ اللہ کا فضل ہے۔ ایک بندۂ مؤمن کا نقطۂ نظر یہی ہونا چاہئے۔ ساتھ ہی تاکید فرما دی: ﴿ وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَثِيۡرًا لَّعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝ ﴾ کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی اللہ کا ذکر جاری رہنا چاہئے۔ اپنے تمام اوقات کو ذکرِ الٰہی سے آباد رکھنے کی کوشش کرو ــــــ "اللہ کو کثرت کے ساتھ یاد رکھو تاکہ تم فلاح پاؤ"۔ دوامِ ذکر کی بڑی فضیلت ہے۔ "اِسۡتِحۡضَارُ اللّٰهِ فِى الۡقَلۡبِ" یعنی اللہ کی یاد کو دل میں تازہ رکھنا پسندیدہ ہی نہیں مطلوب بھی ہے۔ اور یہاں تو اسے فلاح کے لئے بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ سورۂ آلِ عمران کی آخری آیات کے حوالے سے

© rasailojaraid.c

ذکر کے مفہوم پر کچھ باتیں قدرے تفصیل سے عرض کی جا چکی ہیں' ان کو ذہن میں تازہ کیجئے!

اس سورۂ مبارکہ کی آخری آیت میں ایک متعین واقعے کے حوالے سے تنقید کر کے خطبہ جمعہ کی اہمیت کو مزید واضح کر دیا گیا کہ خطیب جب خطبہ دے رہا ہو تو اس حال میں اسے چھوڑ کر کسی تجارتی لین دین یا کسی دیگر مصروفیت کی جانب متوجہ ہو جانا نہایت نامناسب طرزِ عمل ہے' خواہ کسی اشد ضرورت کے تحت یہ معاملہ کیا گیا ہو۔ مختصراً یہ کہ سورۂ مبارکہ گویا گھوم رہی ہے اس مرکزی آیہ مبارکہ کے گرد: ﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ اور یہی ہے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا بنیادی طریق کار اور انقلابِ محمدیؐ کا اساسی منہاج!

بَارَكَ اللّٰهُ لِيْ وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ ' وَنَفَعَنِيْ وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ٥٥

© rasailojaraid.com

"خطباتِ خلافت"

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان

ڈاکٹر اسرار احمد کے چار خطبات کا مجموعہ

سفید کاغذ' عمدہ طباعت' صفحات 212

قیمت : (اشاعت خاص مجلد) 80 روپے اشاعت عام : 45 روپے

اس کتاب کا مطالعہ خود بھی کیجئے اور اسے زیادہ سے زیادہ عام کیجئے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور (فون : 03-5869501)

© rasailojaraid.com